۱۸- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج بابت ۱۸۸۰ء، ص ۱۴ - ۳۰
۱۹- مقالات سرسید حصہ ہشتم، ص ۳۰، ۳۷ -
۲۰- ایضاً، ص ۲۴ -
۲۱- ایضاً، ص ۹۴ -
۲۲- کیلنڈر پنجاب یونیورسٹی کالج ۷۷-۱۸۷۶ء، ص ۲۹ - ۲۸ -
۲۳- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج بابت ۱۸۸۰ء، ص ۹۴ - ۹۳ -
۲۴- ایضاً
۲۵- ایضاً، ص ۲۰۰ -
۲۶- ایضاً، ص ۹۷ - ۷۸ -
۲۷- مقالات سرسید حصہ ہشتم، ص ۲۶ -
۲۸- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج، ص ۹۵ -
۲۹، ۳۰- ایضاً، ص ۹۷، ۸۷ -

جمیلہ شوکت*

حضرت شیخ مخدوم علی المہائمی

زوال بغداد کے بعد عالم اسلام سیاسی اعتبار سے اختلال و انتشار کا شکار تو رہا لیکن علم و تعلم کی کساد بازاری نہ ہونے پائی اس دور میں بھی بعض ایسے اجل علماء و فضلا صفحہ ہستی پر نمودار ہوئے جن کی علمی ادبی اور دینی خدمات بعد میں آنے والوں کے لیے چراغ راہ ہیں - آٹھویں صدی ہجری میں تصنیف و تالیف اور علم و تعلم کی خوب گرم بازاری رہی - مختلف علوم و فنون مثلاً علم تفسیر ، حدیث ، فقہ ، تاریخ ، فلسفہ اور منطق پر نادر کتب تصنیف ہوئیں - ابن حیان اندلسی ، ابن تیمیہ ، ابن قیم الجوزیہ ، ابن خلدون ، حافظ ابن حجر عسقلانی ، خطیب تبریزی اور ابن الاثیر ، ابن کثیر وغیرہم ہزارہا ایسے جلیل القدر علماء و فضلاء کا تعلق اسی صدی سے ہے -

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تخت دہلی پر خاندان تغلق متمکن تھا - سلاطین تغلق اور بالخصوص فیروز شاہ تغلق کا زمانہ نہ صرف امن و امان بلکہ علم و ادب کے فروغ اور سرپرستی کے لیے بھی مشہور ہے - جنوبی ہند میں واقع دور دراز علاقے بھی اس کی توجہ کا مرکز بنے ، اپنے ایک معتمد ظفر خاں[1] کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر کے روانہ کیا - ظفر خاں اور اس کے پیشروؤں نے اس علاقے کا بڑا عمدہ بندوبست کیا اور علماء کی بڑی قدردانی کی - سرزمین گجرات کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں نامور اور مشہور صوفیا و علما پیدا ہوئے - مفتی رکن الدینؒ ، علم الدین چشتیؒ ، شیخ احمد کھتو اور خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا تعلق گجرات ہی سے ہے - آٹھویں صدی ہجری میں گجرات کے علاقہ کوکن[2] (کنکن یا کمکم) کی

---

* اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبۂ اسلامیات ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- خاندان تغلق کے کمزور ہونے پر تمام عمال خود مختار ہوگئے - علماء کے اصرار پر ظفر خاں نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا اور ۸۱۰ھ میں خود مختار ہوگیا - مظفر شاہ ہی سلاطین گجرات کا مورث اعلیٰ ہے - سید عبدالحی حسنی : یاد ایام ص ۶ ، ۱۰ ، ۱۲ -

۲- دکن کے دو حصے ہیں پہلا حصہ پست سواحل کا ہے جس میں شمالی اور جنوبی کوکن شامل ہیں - کوکن سے مراد کل وہ خطہ ہے جو خلیج کھاج سے گوا تک واقع ہے اور جس کے بعد مالابار شروع ہوتا ہے -
سید علی بلگرامی : تمدن ہند ۷۳ ، ۱۴۸

بستی مہائم[۳] (ماہم) میں شیخ مہائمی ایسا عالم و صوفی پیدا ہوا جس کی وجہ سے سرزمین گجرات کو علمی اعتبار سے ایک ایسا مقام نصیب ہوا جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔

آپ کا نام ابوالحسن علاؤ الدین علی بن احمد بن علی[۴] المہائمی، الحنفی[۵] اور لقب زین الدین اور مخدوم[۶] ہے۔ آپ خاندان نوائت کے معزز گھرانے میں ۷۷۶ھ/۱۳۷۲ء میں بمقام مہائم پیدا[۷] ہوئے۔ آپ عربی الاصل[۸] تھے نوائت کے بارے میں عام اہل علم کا خیال ہے کہ یہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے جو حجاج کے مظالم سے خوفزدہ ہو کر مدینہ سے ترک وطن کر کے بحر ہند کے ساحل پر آباد ہوگئی جیسا کہ سبحہ المرجان کے مؤلف لکھتے ہیں: مولانا الشیخ علی المہائمی ھو من طائفۃ النوائت قوم فی بلاد الدکن . . . قال الطبری فی تاریخہ، النایۃ طائفۃ من قریش خر جوامن المدینۃ المنورۃ خوفاً من الحجاج الذی قتل خمیسن الفاً من الاولیاء وغیرھم علی غیر حق و بلغوا ساحل بحرالھند و سکنوابہ[۹]

سمعانی کا قول ہے کہ ناعط یا نایت بصرہ کے ایک مقام کی طرف نسبت ہے[۱۰] بعض کا خیال ہے کہ ترک وطن کرنے والے وہ عرب جو مغربی ساحل بالخصوص

۳- قدیم گجرات موجودہ مہاراشٹر کے جنوب میں ساحل سمندر پر مہائم کا علاقہ ہے جو اب مضافات بمبئی میں شامل ہوگیا ہے۔ شیخ اکرام: آب کوثر فیروز سنز لمیٹڈ، ۴۵۰ سرکیس: معجم المطبوعات، ۱۷۱۷

٤- الاعلام ۵: ٦۳، کشف الظنون ۱: ۳۳۹، حدائق الحنفیہ، ۳۱۷ ھدیۃ العارفین ۱: ۷۳۰ بعض اہل علم نے آپ کا نسب علی بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل لکھا ہے تفسیر مہائمی ۲: ۳۳۲، معجم المولفین ۷: ۹، معجم المطبوعات، ۱۷۱۷ بعض نے آپ کا نام شیخ علی پرو یا پیرو لکھا ہے جو غالباً ان کے اجداد کا لقب یا قبیلہ کی شاخ ہے۔ بمبئی گزیٹر، ۳: ۱۰۳ آئین اکبری ۳: ۱۷۴

۵- بعض تذکرہ نگاروں نے شافعی اور بعض نے حنبلی بھی لکھا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کسی خاص عقیدہ کے ساتھ تقلید کی حد تک وابستہ نہ تھے۔ نزھۃ الخواطر، ۳: ۱۰۵، معجم المولفین ۷: ۹۔

٦- کشف الظنون ۱: ۳۳۹، حدائق الحنفیہ، ۳۱۷، الاعلام ۵: ٦۳

۷- نزھۃ الخواطر ۳: ۱۰۵ حدائق الحنفیہ، ۳۱۷، الاعلام ۵: ٦۳، معجم المولفین ۷: ۹، ھدیۃ العارفین ۱: ۷۳۰

۸- بمبئی گزیٹر، ۳: ۳۰۱

۹- ابجدالعلوم، ۸۹۳، نزھۃ الخواطر ۳: ۱۰۵، الاعلام ۵: ٦۳، سبحۃ المرجان ۳۹، بمبئی گزیٹر ۳: ۳۰۱

۱۰- معجم البلدان، ۱۸، ۲۵۳، کتاب الانساب، ۵۵۱

کونکن کے کنارے آباد ہوئے ان کی اولاد کو نوائت (نووارد) یا نواعط کہتے ہیں[۱۱]
علی مہائمی کے والد شیخ احمد عالم و فاضل اور متمول آدمی تھے انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت بڑی محنت اور توجہ سے کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں فقہ، منطق اور فلسفہ پر دسترس ہوگئی ۔ مشہور روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی تعلیم و تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ تفسیر کے آغاز میں مولف کے مختصر تذکرہ میں ہے : کان مشرفاً بتعلیم سیدنا خضر علیه السلام معلم حضرة سیدنا موسی کلیم اللہ.[۱۲]

شیخ مہائمی اپنے تقوی اور تبحر علمی کی بنا پر بہت جلد اہل مہائم میں مقبول ہوگئے ۔ مہائمی درس و تدریس کے علاوہ حکومت کے اہم منصب یعنی منصب قضا پر بھی مامور ہوئے بمبئی گزیٹر میں ہے کہ مخدوم علی جوانی کے کئی سال سفر اور مطالعے میں گزارنے کے بعد مہائم میں مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے ۔[۱۳] یاد الہی میں جذب و انہماک کے باوجود رشتۂ ازدواج سے بھی منسلک رہے ۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ وقت کی دختر ان کے عقد میں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے بڑی سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ۔[۱۴] شیخ مہائمی اپنے وقت کے عظیم صوفی اور صاحب کشف و کرامات تھے بمبئی گزیٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام بہت سی بیماریوں سے شفایابی کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے ۔[۱۵]

تصوف میں مہائمی حضرت محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ کے مسلک کے پیروکار تھے جس کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے جو انھوں نے شیخ اکبر کی تائید و حمایت میں لکھیں ۔ وہ ابن عربی کے افکار و خیالات کے زبردست حامی تھے یہاں تک کہ سید عبدالحی کو کہنا پڑا کہ انھیں عربی ثانی کہنا زیبا ہے ۔[۱۶] نواب صدیق حسن خان اور سید بلگرامی رقم طراز ہیں کہ شیخ مہائمی وحدت الوجود کے قائل اور ابن عربی کے پیروکار تھے ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہتے ہیں کہ مہائمی علمائے صوفیہ (یعنی وحدت الوجود کے ماننے والوں) میں سے تھے اور علوم ظاہری و باطنی پر ان کو دسترس حاصل تھی ۔[۱۷] شیخ ابوالفضل کا قول ہے ، شیخ علی پرو (پیرو) ظاہر و باطن پر دسترس رکھتے اور شیخ ابن عربی کے انداز پر حقائق پیش کرتے تھے ۔[۱۸]

۱۱- آب کوثر ، ۳۱
۱۲- تبصیر الرحمن و تیسیرالمنان تحت ترجمة المفسر نیز تفسیر مذکور ۲ : ۴۲۲
۱۳- بمبئی گزیٹر ، ۳۰۱
۱۴- حبل المتین فی تقویة الیقین بحوالہ مخدوم علی مہائمی ، پرواز اصلاحی ص ۳۵
۱۵- بمبئی گزیٹر ، ۳ : ۳۰۲
۱۶- عبدالحی حسنی : یاد ایام ۵۹
۱۷- اخبار الاخیار ، ۱۷۳
۱۸- آئین اکبری ۳ : ۱۷۴

شیخ مہائمی کو علم تفسیر ، حدیث ، علم کلام اور تصوف میں جو کمال حاصل تھا اہل علم نے اس کا اعتراف کیا ہے ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کہتے ہیں کہ شیخ اپنے زمانہ کے علامہ اور نابغۂ روزگار تھے ۔[۱۹] نزھۃ الخواطر کے مولف نے بھی العالم الکبیر اور علامہ ایسے عظیم خطابات سے یاد کیا ہے ۔[۲۰] سید عبدالحی تو انھیں سرمایۂ گجرات کہتے ہیں اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ حقائق نگاری میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔[۲۱] الاعلام ، ھدیۃ العارفین ، معجم المطبوعات اور گجرات کی تمدنی تاریخ کے مولفین نے انھیں عالم ، مفسر ، فقیہ اور صوفی ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے[۲۲]۔ ان اوصاف اور تبحر علمی کی وجہ ہی سے محمد اکرام کو کہنا پڑا کہ ''وہ ہندوستان کے سب سے بڑے علماء کے ساتھ جگہ پانے کے مستحق ہیں'' اور جیسا کہ سرکیس بھی کہتے ہیں کان من کبار علماء الھند ذاشھرۃ باھرۃ و محاسن زاھرۃ ۔[۲۳]

علوم ظاہری و باطنی کا یہ بحر بیکراں ، سرمایۂ گجرات اور مہائم کا یہ عظیم فرزند دنیائے اسلام کو اپنی علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور کرنے کے بعد انسٹھ برس کی عمر میں ۲٦ جمادی الاخرہ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء کو مہائم ہی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ۔[۲٤] انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کا مقبرہ آج بھی مرجع خلائق ہے جہاں روزانہ اور بالخصوص سالانہ عرس کے موقعہ پر ہزاروں عقیدت مند دور دراز مقامات سے آتے ہیں[۲۵]۔ مخدوم مہائمی کئی مفید و نفیس عربی تصانیف کے مولف ہیں ۔ ان کی بیشتر تصانیف گردش ایام کے نذر ہوگئیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا عظیم ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو متولیوں کی بے توجہی سے ضائع ہوگیا ۔[۲٦] ان کی تصانیف میں زبان و ادب کی جو چاشنی اور محاسن نظر آتے ہیں وہ زبان عربی پر کامل دسترس کابین ثبوت ہیں اور جس کا اعتراف متقدمین و متأخرین اہل علم نے بھی کیا ہے ۔

۱۹۔ تقریظ ، تبصیرالرحمن ، ۲ : ۴۲۰ ۔ ۲۰۔ نزھۃ الخواطر ، ۳ : ۱۰۵

۲۱۔ یاد ایام ، ۵۹

۲۲۔ الاعلام ۵ : ٦۳ ھدیۃ العارفین ۱ : ۷۳۰ ، معجم المطبوعات ، ۱۷۱۷ گجرات کی تمدنی تاریخ ، ۲۴۳

۲۳۔ آب کوثر ۴۲ ، معجم المطبوعات ، عمود ۱۷۱۷

۲٤۔ ابجدالعلوم ، ۸۹۴ ، نزھۃ الخواطر ۳ : ۱۰۵ ، الاعلام ۵ : ٦۳ معجم المولفین ۷ : ۹ ، بمبئی گزیٹر ۳ : ۳۰۳

۲۵۔ مقبرہ کی تعمیر تزیین اور عرس کی تفصیلات کے لیے ۳ : ۳۰۳-۳۰۴ بمبئی گزیٹر دیکھیے

۲٦۔ گجرات کی تمدنی تاریخ ، ۲۴۳ : آئین اکبری ۳ : ۱۷۴ ، اخبار الاخیار ، ۱۷۳

صدیق حسن خان کہتے ہیں ان کی تصنیفات ان کی تبحر علمی اور علوم پر کمال دسترس کی واضح دلیل ہیں[۲۷] مختلف مصادر[۲۸] سے تقریباً ان کی بیس تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں چند حسب ذیل ہیں ۔

''تبصیرالرحمن و تیسیرالمنان مایشیر الی اعجاز القرآن'' یہ مکمل قرآن حکیم کی تفسیر ہے آئندہ صفحات میں ان کی تفسیر پر قدرے تفصیل سے بات ہوگی انشاء اللہ ۔

''انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام'' اسرار شریعت پر نایاب کتاب ہے اور اس فن پر سب سے پہلی کتاب ۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا دعویٰ کہ اس فن پر سب سے پہلے انھوں نے قلم اٹھایا مولینا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں غالباً حضرت شاہ صاحب کی نظر سے مخدوم صاحب کی یہ کتاب نہیں گزری ورنہ وہ یہ نہ فرماتے[۲۹]۔

''ادلۃ التوحید'' اس کتاب میں انھوں نے شیخ اکبر کے نظریہ توحید کو کتاب و سنت اور اقوال ائمہ سے ثابت کیا ہے بقول شیخ عبدالحق دہلوی انھوں نے نہایت ایجاز اور قطعی دلائل کے ساتھ شیخ کے افکار کی تائید اور شکوک کا رد کیا ہے ۔[۳۰] بعد میں اس کی شرح ''اجلۃ التوحید'' کے نام سے لکھی ۔

النور الازہر'' کے نام سے ایک رسالہ قضا و قدر پر لکھا اور پھر اس کی شرح بھی لکھی ، صدرالدین قونوی کی کتاب ''الفصوص'' اور شیخ اکبر کی تالیف ''فصوص الحکم'' کی بھی شروح لکھیں ۔ نزھۃ الخواطر کے مولف کے بقول ''فصوص الحکم'' کی یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے[۳۱]۔ علم فقہ پر بھی آپ کو دسترس حاصل تھی کہا جاتا ہے کہ وہ فتاوی بھی دیتے تھے ۔ فقہ پر ایک کتاب لکھی بقول سید عبدالحیی یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ بمبئی سے شائع ہو چکی ہے ۔[۳۲]

''رسالۃ فی تفسیرالم'' سبحۃ المرجان کے مولف نے اس کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے یہ سورہ بقرہ کے وجوہ و اعراب پر بحث ہے ۔ اور اس سے اس فن پر مخدوم صاحب کی دسترس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ۔[۳۳] لیکن ان کی ''تفسیر تبصیرالرحمن و تیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن'' کو بعض خوبیوں کی بنا پر جو مقام اور شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور تصنیف کو نہیں ۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ہندوستان

۲۷۔ ابجد العلوم ، ۸۹۴ ، الاعلام ۵ : ۶۳

۲۸۔ ایضاح المکنون ۱ : ۵۲ ، ۶۱۴ ، معجم المولفین ۷ : ۹ ، الاعلام ۵ : ۶۳ ، ابجد العلوم ، ۸۹۴ ، نزھۃ الخواطر ۳ : ۱۰۵ ، معجم المطبوعات ۱۷۱۷ ، یاد ایام ۵۹ ، ۶۰ ، مخدوم علی مہائمی، ۹۱ ببعد

۲۹۔ یاد ایام ، ۶۰

۳۰۔ اخبار الاخیار ، ۱۷۹ (بغایت موجز و منقح)

۳۱۔ نزھۃ الخواطر ۳ : ۱۰۶

۳۲۔ یاد ایام ، ۶۰

۳۳۔ سبحۃ المرجان ۳۹ ببعد و نزھۃ ۳ : ۱۰۶

میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کا آغاز شیخ مہائمی کے دور سے ہی شروع ہوا اور یہ فخر بھی سرزمین دکن کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے اردو کی تفسیر یہیں لکھی گئی[٣٤]۔

مخدوم مہائمی نے اپنی یہ تفسیر ٨٠٣ھ میں تالیف کی[٣٥] لیکن ایک عرصے تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی آخر تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں ریاست بہاول پور کے وزیر محمد جلال الدین دہلوی نے کثیر رقم صرف کر کے ١٢٩٥ھ میں مطبع بولاق مصر سے اسے چھپوایا ۔ طباعت کا نگران مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کو بنا کر مصر بھیجا جو وہاں تکمیل طباعت تک مقیم رہے[٣٦]۔ اس پر تقاریظ مولانا محمد قاسم ناناتوی ، مولانا محمد حسین نگران طباعت اور محمد البیسونی مصری کے قلم سے ہیں[٣٧]۔

علی مخدوم کی تفسیر کا موضوع نظم قرآن ہے ۔ انھوں نے دوران تفسیر ایک آیت کا تعلق اور ربط دوسری آیت سے اور باہم سورتوں کے ربط کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ اصل آیت بریکٹ کے اندر آ جاتی ہے ۔ تفسیر کی اس خصوصیت کی بنا پر اہل علم نے اس کی تعریف کی ہے ۔ سید عبدالحی لکھتے ہیں ''تفاسیر سینکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس میں التزام سے قرآن پاک کی آیات کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو ایسے دل نشین طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ کر انسان وجد میں آ جاتا ہے[٣٨]۔ اپنی کتاب ''الثقافة الاسلامیہ'' میں بھی وہ تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں و ھو تفسیر مفرد حسن الانشاء و ایراد اللطائف و ربط الایات بعضھا ببعض[٣٩]۔ مولوی فقیر محمد کہتے ہیں کہ تفسیر رحمانی صفت اعجاز و تدقیق میں موصوف ہے[٤٠]۔ محمد قاسم نانوتوی بھی تفسیر کی دیگر خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس وصف کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں ۔[٤١] بمبئی گزیٹر میں بھی ان کی دیگر تالیفات پر تفسیر کو فوقیت دی گئی ہے[٤٢]۔

علم نظم قرآن اور مہائمی : نظم قرآن یا علم مناسبت مہتمم بالشان علم ہے اور

٣٤- عبدالصمد صارم : تاریخ التفسیر ، ٣٠   ٣٥- تفسیر مہائمی مقدمہ ١ : ٣

٣٦- تبصیر الرحمن ٢ : ٣٢١ ، نزهة الخواطر ٣ : ١٠٦

٣٧- تبصیر الرحمن ٢ : ٣٢٠ تا ٣٢٣ -   ٣٨- یاد ایام ٦٠

٣٩- عبدالحی حسنی : الثقافة الاسلامیہ فی الهند ، ١٦٣ وہ اپنی کتاب نزهة الخواطر میں بھی تفسیر کی اس خوبی کی طرف بطور خاص اشارہ کرتے ہیں نزهتہ ، ٣ : ١٠٦

٤٠- حدائق الحنفیہ ، ٣١٧   ٤١- تقریظ تبیصر الرحمن ٢ : ٣٢٠

٤٢- بمبئی گزیٹر ٣ : ١٠٣

اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ متقدمین و متاخرین سب ہی نے اس کو پانے کی کوشش کی ہے اور ہر مفسر نے بقدر ہمت حصہ پایا ہے۔ علم نظم کو سب سے پہلے ابوبکر نیشا پوری نے ظاہر کیا[۴۳] اس کے بعد امام رازی ، ابن العربی ، بقاعی اور ابو اسحاق شاطبی نے بھی اس سے پردے اٹھائے ہیں[۴۴]۔ امام رازی اس کی اہمیت میں فرماتے ہیں قرآنی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم جس طرح اپنے الفاظ اور علو معانی کے اعتبار سے معجزہ ہے بعینہ اپنی ترتیب اور نظم آیات میں بھی معجزہ[۴۵] ہے۔ ولی الدین ملوی فرماتے ہیں : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں نظم و ربط اس لیے تلاش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مختلف حالات میں مختلف اوقات میں نازل ہوا ہے تو ان کا یہ خیال باطل ہے۔ بلاشبہ قرآن کی آیات نزول کے اعتبار سے مختلف واقعات و حالات سے متعلق ہیں لیکن اپنی موجودہ ترتیب میں وہ بالکل توقیفی[۴۶] ہیں۔ شارح ''الموافقات'' عبداللہ دراز فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیات باہم دگر مربوط و متصل ہیں۔ ایک آدمی کو بادی النظر میں آیات نہایت غیر مربوط نظر آتی ہیں لیکن اگر تدبر کیا جائے اور وقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ آیات باہم دگر نہایت مربوط ہیں جس طرح ایک طویل و عریض عمارت دور سے دیکھنے والے کو بڑی بے جوڑ نظر آتی ہے لیکن جب کوئی غور سے دیکھنے والا اس نقشہ کو سامنے رکھتا ہے جس کے مطابق عمارت تعمیر کی گئی ہے تو بظاہر وہ غیر مربوط کمرے و دیگر تعمیرات بڑی موزوں نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کا حسن ہی نظم میں ہے جس طرح جسم انسانی جو مختلف اعضاء و جوارح پر مشتمل ہے اور دستکاری کا ایک شہ پارہ جو رنگ ہائے رنگ کے دھاگوں کے امتزاج سے بنایا جاتا ہے۔ اگر دیکھنے والا ان اعضاء اور دھاگوں کو علیحدہ علیحدہ کرکے دیکھے تو اس میں کوئی حسن اور کشش نظر نہیں آتی بعینہ اگر آیات کو علیحدہ علیحدہ دیکھیں تو قرآن کا سارا حسن ہی ختم ہو جاتا ہے[۴۷]۔

متأخرین میں علامہ فراہی نے نظم قرآن کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ فرماتے ہیں کہ کلام جو اسرار و عجائب کا عظیم الشان گنجینہ ہے اس کی کلید صرف اور صرف نظم قرآن ہی ہے[۴۸]۔

مخدوم علی مہائمی نے بھی قرآن حکیم کے اس اعجاز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کو اللہ کا فضل اور اس کی بخشش قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں اپنی بے بضاعتی کا حد درجہ اعتراف کرتے ہیں اسی احساس کے تحت انہوں نے

۴۳- الاتقان فی علوم القرآن ۲ : ۱۰۸

۴۴- النباء المظیم حاشیہ ، ص ۱۵۹

۴۵- الاتقان ۲ : ۱۰۸

۴۶- الاتقان ۲ : ۱۰۸

۴۷- عبداللہ دراز : *النبأ العظیم*، ۱۵۵، ۱۵۹

۴۸- مقدمہ تفسیر نظام القرآن ۵۶

اپنی تفسیر کا نام تبصیر الرحمن و تیسیر المنان رکھا ہے۔

مہائمی مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں: فھذہ خیرات حسان من نکت نظم القرآن لم یطمث اکثرھن انس ولاجان و لم یکن لی ان امسھن اذ لایمسھن الا المطھرون ولکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ من علی بالیتسیر فی خطبھن الخطیر بمحض فضلہ اذ ھو بکل فضل جدیرو علی کل شیئی قدیرفأ مکننی أن أبزرھن من خدورھن لیری بمرایا جمالھن صورۃ الاعجاز من بدیع ربط کلماتہ و ترتیب آیاتہ من بعد ماکان بعد من قبیل الالغاز فیطربہ انھا جومع الکلمات و لوامع الایات[۴۹]۔

یعنی یہ نکات نظم قرآنی کا بہترین مجموعہ ہیں جن میں سے بیشتر مجھ سے پہلے کسی جن و بشر کی دسترس میں نہیں آئے تھے میں گناہگار اس قابل نہیں تھا کہ ان تک پہنچ سکتا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جو ہر چیز پر قادر ہے آسان کر دیا اور میرے لیے ممکن کر دیا کہ میں ان پردوں کو اٹھاؤں تاکہ آیات و کلمات میں جو ربط و ترتیب ہے اس کے حسن و جمال کا نظارہ کیا جا سکے اور یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

مہائمی نے طریق تفسیر کی مقدمہ تفسیر صراحت کردی ہے وہ تفسیر قرآن کے ضمن میں مفسرین کے اس فریق سے تعلق رکھتے ہیں جو شرعی حدود و قیود میں رہ کر تفسیر و تاویل قرآن میں عقل و خرد کے استعمال پر زور دیتا ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان من فسّر القرآن برایہ ... بیان کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اقوال صحابہ اور آثار تابعین سے ہٹ کر فہم و عقل سے قرآن کی تفسیر کرنے والا جہنمی ہے بلکہ یہ حدیث تو مفسرین کے لیے احتیاط برتنے میں مہمیز کا کام کرتی ہے۔ جہاں تک عقل و خرد اور رائے کے استعمال کا تعلق ہے قرآن حکیم میں جا بجا تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی ہے قرآن اور اسلام کی عالمگیریت اور ابدیت اسی صورت میں ہے کہ مفسرین اپنے دور میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر سے حل کریں قرآن حکیم جو علوم و فنون کا خزینہ ہے بعض کا ذکر وضاحت سے کیا گیا ہے جبکہ بعض کا ذکر اجمالی طور پر ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا من اراد علم الاولین والاخرین فلیتد برالقرآن اور تدبر و تفکر کی دعوت محض ظاہری الفاظ اور متبادر معنی پر اکتفا کرنے سے پوری نہیں ہوتی قرآن کے مطالب و مفاہیم غور و فکرہی سے اجاگر اور روشن ہوں گے قرآن حکیم میں استنباط و استخراج اور تدبر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور جیسا کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ قرآن کے الفاظ کے

۴۹۔ مقدمہ تفسیر مہائمی، ۱ : ۳

مختلف استعمالات کا علم حاصل نہ کر لے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ ابن عباس کے لیے تدبر و تفقہ کی دعاء بھی اس بات پر دال ہے - تأویل سے مراد قرآن کی ایسی تفسیر ہے جس سے عبارت میں مضمر اشارات واضح ہو سکیں وہ اس تفسیر بالرائے کے حق میں نہیں جو ہوا و ہوس پر مبنی ہو وہ مفسر کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں کہ اپنی رائے کو قرآن و سنت اور شریعت کے تابع کر لے اور قرآن کے جس حصے سے متعلق احادیث و آثار مروی ہیں ان سے تجاوز نہ کرے لیکن قرآن کے معانی کا استنباط و استخراج کرنے کے لیے ان منقولات کے پہلو بہ پہلو عقل و فہم کو بھی استعمال کرنا چاہیے تا کہ قرآن میں مضمر دور رس معانی تک پہنچا جا سکے اور ان باطنی معانی تک صرف نکتہ شناس ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں پہنچ سکتا ہے- ایسی بصیرت جو نور الٰہی سے مستنیر ہو[٥٠]- وہ تفسیر کے مقدمہ کا آغاز ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے اہل خرد کے دلوں کو اپنے کلام سے منور کیا تا کہ وہ اس کی روشنی اور اپنی عقل سے کام لے کر صحیح راستہ کو پا سکیں[٥١]- ایسی عقل جو شریعت کی پابند ہو وگرنہ گمراہی اور خسران انسان کا مقدر بن جاتا ہے آیت الا تطغوا فی المیزان[٥٢] کی تشریح میں فرماتے ہیں لا تترکوا العقل بالکلیة فی الشرائع ولا تبطلوا بہ شیئاً من المنصوصات اذا لم تعقلوھا کما ارید منکم[٥٣] - وہ ایک اور مقام پر عقل کو بصر اور شریعت کو نور سے تشبیہہ دیتے ہیں[٥٤]- ایک اور جگہ عقل کی اصلیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں العقل ان کان شأنہ الالتفات الی امور کثیرة یکون بعضھا حجابا عن البعض.[٥٥] کہ عقل اگر بعض معاملات کی طرف راہنمائی کرتی ہے تو بعض مواقع پر حقائق تک پہنچنے میں حجاب اور رکاوٹ بھی بن جاتی ہے -

مہائمی نے اپنی تفسیر میں ماقبل مفسرین کا ہی تتبع کیا ہے اور اپنے ایجاز اور اختصار کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تفسیر جلالین کے طرز پر ہے[٥٦]-

عقل و رائے کے استعمال کے ساتھ مخدوم علی مہائمی بعض آیات کی تشریح و تفسیر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم سے بھی کرتے ہیں مثلاً حافظوا علی الصلواة والصلاة الوسطی[٥٧] کی تشریح میں احادیث پیش کرتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عصر یا فجر ہے[٥٨]-

---

٥٠- مقدمہ تفسیر مہائمی ، ٥-٦
٥١- مقدمہ تفسیر ، ٢
٥٢- الرحمن : ٨
٥٣- تفسیر مہائمی ٢ : ٣١١
٥٤- تفسیر مہائمی ١ : ٢٥
٥٥- تفسیر مہائمی ٢ : ٣٠٢
٥٦- ڈاکٹر زبید احمد : عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ٣٥
٥٧- البقرہ : ٢٣٨
٥٨- تفسیر مہائمی ١ : ٨٦

اسی طرح آیت افان مات او قتل[۵۹] کی تشریح بھی احادیث سے کرتے ہیں[۶۰] ۔ بعض اوقات وہ آیت کا شان نزول بھی بتاتے ہیں مثلاً ما کان لمؤمن ولا مؤمنة[۶۱] کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ زینب بنت حجش کے بارے میں نازل ہوئی ۔ سورہ اللیل کی آخری آیت و لسوف یرضیٰ . . . حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی[۶۲] ۔

دوران تفسیر وہ قاری پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت کو مختلف انداز سے واضح کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ان گنت احسانات فرمائے ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اس کی عبادت کریں کیونکہ انسان کی تخلیق عبادت الٰہی اور معرفت ہی کے لیے کی گئی ہے ۔ باہمی معاملات میں عدل و معاونت کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایک کے ساتھ عدل کیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کرنا اللہ کا حکم ہے جس کے بجا لانے پر جزا اور ثواب مرتب ہوگا[۶۳] ۔ وہ وضاحت فرماتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے لہذا وہ قاری کو بڑے دلنشین انداز میں بتاتے ہیں کہ شرک جلی اور خفی نیز ان دونوں کی طرف لے جانے والی چیزوں سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے ۔ اللہ کا حق اسی صورت میں ادا ہوگا جب اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنایا جائے ۔ پھر وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے صرف اپنے حقوق کی ادائیگی کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس کے بندوں کا حق بھی ادا کیا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے ۔ مخلوق میں والدین اور اقارب کے حقوق سرفہرست ہیں وہ ان حقوق کی ادائیگی پر تحریض و ترغیب کے لیے احادیث بھی پیش کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے والدین اور اقارب کا حق بطور اعتراف خدمت ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا ۔ اقارب سے حسن سلوک کا ایک اور فائدہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اقارب سے حسن سلوک صلہ رحمی ہے جو اللہ سے وصال کا ذریعہ اور قطع رحمی اللہ سے تعلق کے انقطاع کا سبب بھی ہو سکتا ہے[۶۴] ۔

مهائمی نہایت متقی اور متدین صوفی ہیں وہ اپنی تفسیر میں قاری کو بھی تقوی اور اخلاق حسنہ کے اکتساب پر زور دیتے ہیں ۔ اور شہوات نفسانی سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ آئینہ دل ملکوتی صفات حاصل کرکے ہی صاف و شفاف رہ سکتا ہے اور یہ ملکوتی صفات مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں ۔ دل کے تمام روگ عبادت و ریاضت سے دور اور دل مشاہدہ حق سے منور

۵۹- آل عمران : ۱۴۴
۶۰- ایضاً ۱ : ۱۲۷
۶۱- الاحزاب : ۳۳
۶۲- ایضاً ۲ : ۴۰۵
۶۳- تفسیر مهائمی ۱ : ۲۴، ۲۵
۶۴- تفسیر مهائمی ۱ : ۱۳۹

زبان ذکر الٰہی سے مشرف اور اعضاء خدمت انسانی سے مزین ہوتے[۶۵] ہیں۔

مہائمی تکبر و غرور کو تمام رذائل کی اصل اور جڑ قرار دیتے ہیں ۔ اسی تکبر کی بنا پر ابلیس مردود ٹھہرا جبکہ اسلام و اطاعت تمام فضائل کی اصل و اساس[۶۶] ہے حرص و طمع اور مال و زر کے عواقب بد سے ڈراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قناعت عظیم دولت اور انمول خزانہ ہے ۔ من عمل صالحا . . . حیاۃ طیبہ[۶۷] کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ نیک عمل والا دنیا و آخرت دونوں میں ایک دنیاوی مالدار دولت مند شخص سے زیادہ اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرتا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ یتلذذ بعمله فی الدنیا فوق تلذذ صاحب المال والجاه ولا یبطل تلذذه اعساره اذ یرضیه الله بقسمته و یقل اهتمامه بحفظ المال والجاه و تنمیة والکافر لا یهنا عیشه بالمال والجاه اذا یزداد حرصاً و خوف فوات[۶۸] ۔

شیخ مہائمی صوفی فلسفی ہیں بعض اوقات دوران تفسیر وہ کسی آیت کی تشریح و توضیح میں اپنے خیال اور نقطہ نظر کی توثیق کے لیے متکلمین و حکماء کے اقوال سے بھی استشہاد کرتے ہیں ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تفسیر میں اس فلسفیانہ رجحان کو دیکھ کر ان کی تفسیر پر اعتراض کیا ہے[۶۹] لیکن اگر تفسیر پر ایک طائرانہ سی نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مہائمی نے ایسا بہت کم کیا ہے اور صرف حکماء کے ان اقوال کا ذکر کیا ہے جن کی تائید نصوص سے بھی ہوتی ہے ۔

مہائمی کو فقہ پر بھی دسترس حاصل تھی لیکن مسائل سے متعلق آیات کی تشریح و توضیح کرتے وقت وہ قاری کو فقہی مسائل کی باریکیوں اور پیچیدگیوں اور تفصیلات میں نہیں الجھاتے ۔ ان کی تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس مذہب کی جو چیز قرآن و سنت سے زیادہ قریب نظر آتی ہے اسے اختیار کر لیتے ہیں لیکن بعض مواقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ شافعی کی طرف ان کا میلان[۶۹] زیادہ تھا لیکن یہ میلان اور رجحان تقلید کی حد تک نہیں ۔ کفارہ قسم[۷۰] کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام شافعی نے کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے ساتھ ایمان کی شرط بھی لگائی ہے[۷۱] یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء[۷۲]۔ میں امام شافعی کی طرح قروء کے معانی طہر لیتے ہیں ۔[۷۳] امام شافعی وضو میں نیت کو ضروری سمجھتے ہیں مہائمی بھی اس خیال کے موید ہیں ان کا قول ہے کہ بغیر نیت کے وضو نماز کی مفتاح اور کنجی نہیں

۶۵- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۵
۶۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۰۳
۶۷- النحل : ۹۷
۶۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۴۱۸
۶۹- بحوالہ آب کوثر ۳۵۰-۳۵۱
۶۹- (الف) فقہ شافعی پر ایک رسالہ بھی لکھا نزهة الخواطر ۳ : ۱۰۶
۷۰- المائدہ : ۸۹
۷۱- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۹۹
۷۲- بقرہ : ۲۸۸
۷۳- تفسیر مہائمی ۱ : ۸۲

ہو سکتا ۔[74]

مخدوم مہائمی میں اپنی تفسیر میں مختلف امصار و علاقوں کی قراءت ، نحوی اور لغوی باریکیوں سے بھی واقف نظر آتے ہیں لیکن قاری کو وہ ان بحثوں میں زیادہ نہیں الجھاتے ۔ مالک یوم الدین کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ کہ عاصم نے اسے ''الف'' سے باقی قراء نے بغیر الف کے پڑھا ہے[75] بعض اوقات کسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے مختلف نحویوں مثلاً سیبویہ ، اخفش خلیل اور زجاج وغیرہم کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں ۔

آیت وضو میں ارجلکم[76] کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسا کہ نافع ابن عمر حفص اور کساقی نے پڑھا[77] ۔ من یاتی منکن بفاحشتہ مبینۃ[78] کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اسے نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی برائی عقل اور شرع نے واضح کر دی ہو اور اگر کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم ایسی برائی ہوگا جس کے برا ہونے کے بارے کسی تدبر اور غور و فکر کی ضرورت نہیں بلکہ اس برا ہونا ظاہر و باہر ہو ۔[79]

مہائمی عموماً قرآن میں مذکرر قصص و واقعات کی غیر ضروری تفصیل میں نہیں جائے اور اسرائیلیات کے ذکر سے اجتناب کرتے ہیں ۔ ھل اتاک نبوالخصم[80] . . . کی تفسیر میں مفسرین کرام نے روایت کا ایک پلندہ جمع کر دیا ہے لیکن مہائمی صرف آیت سے متبادر مفہوم پر ہی اکتفا کرتے ہیں[81] ۔

اسی طرح جمہور مفسرین کرام نے اصحاب کہف کے کتوں کی تعداد و رنگت وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے لیکن وہ ان تفصیلات میں نہیں جاتے اور اس قسم کی تفصیلات کو رجماً بالغیب ہی قرار دیتے ہیں[82] ۔ لیکن بعض مواقع پر وہ آیات میں مذکور قصص کی غیر ضروری تفصیل میں بھی چلے گئے ہیں کہیں ایسا بہت کم ہوا ہے مثلاً ملکہ سبا کے قصہ کے ضمن میں اذھب بکتابی ھذا[83] کی تشریح میں وہ چیزیں بھی بیان کر جاتے ہیں جن کا نفس واقعہ سے کوئی تعلق یا جس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ۔[84] امسک علیک زوجک[85] کی تشریح بھی جمہور مفسرین سے ہٹ کر کی ہے ۔[86]

۷۴- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۸۰
۷۵- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۲
۷۶- المائدہ : ۶
۷۷- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۸۰
۷۸- الاحزاب : ۳۰
۷۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۵۸
۸۰- ص : ۲۱ - ۲۳
۸۱- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۰۳
۸۲- تفسیر مہائمی ۱ : ۴۴۴
۸۳- النمل : ۲۸
۸۴- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۰۳
۸۵- الاحزاب ، ۳۷
۸۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۵۹

ان کی تفسیر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ وہ آیت کے کسی لفظ کی تشریح و توضیح کے لیے اشعار سے استشھاد نہیں کرتے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مہائمی شاعری پسند نہیں فرماتے کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں شعراء کی مذمت کی ہے کہ وہ مدح اور ہجو میں مبالغہ سے کام لیتے اور شرفا کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیتے ہیں ۔

مہائمی کی تفسیر کی سب سے بڑی خوبی آیات کا باہم دگر مربوط و متصل ہونا ہے لیکن اس خصوصیت کے علاوہ تفسیر مہائمی بعض اور دیگر خصائص کی بنا پر بھی دیگر تفاسیر سے ممتاز ہے ۔ مہائمی نے ہر سورۃ کے آخر میں ابتدا سے لے کر اختتام تک درود شریف لکھنے کا بڑا اہتمام کیا ہے ۔ درود شریف کے فضائل کسی مسلمان پر مخفی نہیں ۔ مہائمی جو بڑے زاہد و عابد اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور یہ اسی عشق کا پرتو ہے ۔

مہائمی نے اپنی تفسیر میں بڑے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے سوائے سورۃ فاتحہ کے جس کی تشریح بڑی تفصیل سے کی ہے ۔ وہ ہر سورہ کی تفسیر سے قبل اس میں مذکورہ مضمون اور عنوان کا اختصار کے ساتھ تعارف کراتے ہیں اور ہر سورۃ کی وجہ تسمیہ بھی بتاتے ہیں ۔ سورہ فاتحہ کے تقریباً بیس نام بتا کر یہ بھی ساتھ ساتھ وضاحت کر دی ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا اور ان ناموں سے سورہ کا کیا تعلق ہے ۔

النساء : اس سورۃ کا نام النساء اس لیے رکھا گیا کہ جتنی آیات اس سورۃ میں عورتوں کے احکام سے متعلق ہیں کسی دوسری میں نہیں ۔[۸۷]

الکوثر : اس سورۃ کا نام الکوثر اس لیے رکھا گیا کہ یہ سورۃ دوسرے انبیاء و رسل پر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے یوم قیامت خیز کثیر عطا کرکے ۔[۸۸]

النصر : اس سورہ کا نام النصر اس لیے رکھا گیا کہ نصرت الٰہی کے ذریعے اسلام تمام مذاہب پر غالب آیا اور یہ سورہ کے عظیم مقاصد میں سے ہے اس سورۃ کو التودیع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ استغفار کا حکم قرب وصال پر دلامت کرتا ہے ۔[۸۹]

تفسیر مہائمی کا ایک اور امتیازی وصف ہر سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ کی نئی تشریح ہے جو سورۃ کے مضمون کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے زبید احمد کہتے ہیں کہ یہ انوکھا طریقہ ہے ۔[۹۰]

۸۷- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۳۸

۸۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۵۱۵

۸۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۶۱۶

۹۰- عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ، ۳۶

سورہ محمد کے آغاز میں بسم اللہ کی تشریح میں کہتے ہیں ، اس ذات کے نام سے جس کے کمالات انسانوں بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس میں جلوہ گر ہیں ''رحمن'' ہے ۔ نازل شدہ کتب پر ایمان لانے اور عمل صالح کی توفیق ارزانی کرنے میں ''رحیم'' ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر ایمان وایقان کی توفیق عطا کرنے میں ۔[٩١]

الفتح : اللہ کے نام سے جو فتوحات میں تمام کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے ''رحمن'' ہے گناہوں اور تقصیروں کی بخشش کا وسیلہ بنانے میں ''رحیم'' ہے اس فتح کو نعمت ، ہدایت اور غلبہ کے اتمام کا سبب بنانے میں[٩٢] ۔

الفجر : اللہ کے نام سے جو اپنے کمالات کے ساتھ عرفہ کی صبح میں جلوہ گر ہے ''رحمن'' ہے حج کے عظیم رکن کی ادائیگی کے لیے تمام مخلوق کو مقام عرفہ میں جمع کرنے میں ''رحیم'' ہے یوم عرفہ کے جمع ہونے کو قیامت کے دن جمع ہونے کی دلیل بنانے میں[٩٣] ۔

جاثیة : اس ذات کے نام سے جو اپنی کتاب میں قوت و حکمت کے ساتھ جلوہ گر ہے بالخصوص سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کی صورت میں ''رحمن'' ہے آسمان و زمین میں اپنی نشانیاں ظاہر کر کے ''رحیم'' ہے انسان میں اپنی نشانیاں ظاہر کر کے ۔[٩٤]

حروف مقطعات : متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بالعموم حروف مقطعات کے معانی بیان نہیں کیے ۔ سلف میں سے بعض نے ان کے معانی کی طرف توجہ کی ہے اور مختلف معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں ۔ مخدوم مہائمی بھی انہیں مختلف الفاظ کا مخفف سمجھتے ہیں انہوں نے قرآن حکیم کے تمام حروف مقطعات کی موقع محل کی مناسبت سے توجہ کی ہے اور بتایا ہے کہ ان حروف میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے جس کا تعلق سورۃ کے مضمون ہی سے ہے ۔ انہوں نے ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنا لیا ہے گویا کہ وہ حرف بجائے اس لفظ کے قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے ۔ ڈاکٹر سالم قدوائی کہتے ہیں کہ مہائمی نے حروف مقطعات کی جو توجیہات بیان کی ہیں یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ۔[٩٥] بہر کیف مہائمی نے اس بارے میں تمام مفسرین سے ہٹ کر ایک الگ راہ نکالی ہے جو یقیناً زبان عربی پر کامل دسترس کا واضح ثبوت ہے ۔

الجاثیة : حم کی تشریح میں کہتے ہیں دلائل پر قادر اور شبہات کو ختم کرنے والا با کمالات کی تائید و حمایت کرنے والا اور نقائص کو مٹانے والا یا خوش بختیوں

٩١- تفسیر مہائمی ۲ : ۲٧٦
٩٢- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۸۱
٩٣- تفسیر مہائمی ۲ : ۴۰۰
٩٤- تفسیر مہائمی ۲ : ۲٦٥
٩٥- ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ، ۴۲

اور سعادتوں کی تخم ریزی کرنے والا شقاوتوں اور بدبختیوں کا استیصال کرنے والا تیز نظر اور باریک بین ہے[۹۶]۔

المؤمن : بھلائیوں پر تحریض و رغبت دلانا اور برائیوں سے روکنا[۹۷]۔

حم السجدہ : جو کمالات پر قادر و حاوی ہے نقائص کو ختم کرنے والا یا حلاوت و ملاحت یا حیات و مناسبت یا محبت و مقام[۹۸]۔

الاحقاف : حم یعنی مضبوط رسی[۹۹]۔

الزخرف : حم یعنی ہماری شفقت اور احسان کے ساتھ یا مشکلات کو دور کرنے اور شبہات کو مٹانے کے ساتھ یا ہماری حکمت کے ساتھ یا ہماری سنجیدہ تدبیر کے ساتھ[۱۰۰]۔

۹۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۷۵
۹۷- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۲۲
۹۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۳۴
۹۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۷۰
۱۰۰- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۵۲